۱۲۱۸۵

خطبۂ صدارت

عالی جناب ڈاکٹر بشیر احمد صاحب
ایم ایس سی - پی ایچ ڈی - ایف آر - آئی - سی
(سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی)
ڈائرکٹر ویجینل سائنس لیباریٹریز پاکستان

جو

یونیورسٹی اوریئنٹل کالج کے جلسہ
تقسیم انعامات ۱۹۵۶ء کے موقع پر پڑھا

جناب رئیس کالج ، اساتذہ کرام ، خواتین و حضرات !

اس قدیم درس گہ کی سالانہ تقریب پر آپ نے مجھے صدر منتخب کرکے جو میری عزت افزائی فرمائی ہے اس کا شکریہ جن الفاظ میں بھی کروں کم ہوگا۔ علوم مشرقیہ میں میں کسی نمایاں حیثیت کا مالک نہیں۔ میری عمر کا بیشتر حصہ مرکبات اور گھاس پات میں خدا کی کیمیاگری کے راز سمجھنے میں گزرا۔ مگر مشرق دل و دماغ کا مالک ہونے کی حیثیت سے مجھے مشرقی علوم سے دلی انس ہے اور فی زمانہ ملک و قوم کی بہبودی کے لئے ان کو اشد ضروری سمجھتا ہوں۔ عرصہ سے چند خیالات ذہن میں سرگرداں تھے اس موقع سے بہتر اُن کے اظہار کا اور کیا ہوسکتا تھا۔ بایں وجوہات باوجود اپنی کم علمی کے میں نے آپ کی دعوت کو بسر و چشم قبول کیا۔

عرصہ تک علم کیمیا میں انہاک نے مجھے اجازت نہ دی کہ کشور پنجاب کے اس دارالعلوم کی سب سے قدیم اور سب سے عظیم درس گہ سے کوئی گہرا تعارف پیدا کروں۔ مگر ۱۹۵۲ء میں جب گورنمنٹ کمیشن نے یونیورسٹی کی نئی تشکیل کے لئے سفارشات مرتب کیں۔ تو مجھے اس دانش گہ کے تاریخی حالات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ تب مجھے پہلی مرتبہ آپ کے کالج کی حقیقی شان اور علمی روایات کا صحیح اندازہ ہوا۔ ماحول پر نظر ڈالی تو دل کو ٹھیس سی لگی۔ وہ کالج جو اس قدر قدیم و عظیم ہے، جو اس دانش گہ کے قیام کا باعث ہوا، جس کی علمی روایات اس قدر روشن ہیں اب اعلیٰ تعلیم کے موجودہ سلسلوں میں اور اس دانشگاہ کے موجودہ نظام میں جو جگہ آسے میسر ہے اس کے اصلی مقام سے کس قدر بعید تر ہے۔

سچ پوچھئے تو اس معاملہ میں یونیورسٹی کمیشن کی سفارشات سے بھی مجھے کافی مایوسی ہوئی۔ مجھے یہ محسوس ہوا کہ کالج کا اصلی مقصد اور اس کی تعلیم کی اصلی غایت کو نظر انداز کرکے اس کے لئے ایک گھٹیا سی جگہ متعین کی جارہی ہے۔ میرے ذہن میں کالج کا اصلی مقصد تعلیم علوم مشرق ہے۔ تعلیم میں درس اور تحقیق دونو شامل ہیں جو اب تک اس کالج کی تعلیم کا شیوہ رہا۔ عربی ، فارسی اور اردو زبانوں کی تدریس ان علوم کے مطالعہ کا ذریعہ

تھی۔ ان علوم کا رشتہ ہماری مخصوص تہذیب ، ہماری مخصوص ثقافت ، ہماری مخصوص معاشرت ، ہمارے ذہن اور ہمارے اخلاق سے تھا۔ اگر مشرق زبانوں کی اہمیت تھی تو محض اس لئے کہ ان میں ہماری تہذیب اور ہماری ثقافت کے خزانے پوشیدہ تھے اور ان زبانوں کے وسیلہ سے ہم وہاں تک پہنچ سکتے تھے۔ مجھے محسوس ہوا کہ کالج کو محض مشرق اور مغربی زبانوں کی درسگاہ قرار دینے سے اس کی تعلیم کا اصل مقصد فوت ہوجائے گا۔

ہماری مشرق تہذیب اور ثقافت ایسی چیز نہیں جس سے موجودہ دنیائے علم یکسر بے نیاز ہوجائے۔ اگر اس کرۂ ارض کی قوموں میں ہمارا وقار پھر قائم ہوسکتا ہے تو اس کا طریقہ فقط ہماری تہذیب اور ثقافت کا احیاء ہے۔ غلامی کے زمانہ میں ہم نے اس بیش بہا موتی کو کھو دیا اور مدتوں تک وہ احساس زیاں بھی جاتا رہا۔ اب آزادی کے نئے دور کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنی گمشدہ دولت تلاش کریں اور پاکے اپنالیں۔

انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں مطالعہ علوم مشرق کی ایک منظم تحریک پیدا ہوئی۔ اس سے ملکی باشندوں کا مقصد اپنی قدیم تہذیب کا احیاء تھا۔ حکمران قوم کے علم دوست افراد نے بھی اس کی اہمیت کا اعتراف کیا اور ڈاکٹر لائٹنر کے علاوہ کئی علم دوست انگریزوں نے اس تحریک میں حصہ لیا بلکہ کافی حد تک پیش پیش رہے۔ یہی تحریک اس کالج کے قیام کا باعث ہوئی بلکہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اس قسم کی کئی درسگاہیں قائم ہوئیں۔ یورپ میں ان علوم کو عرصہ تک تعصب کے بادلوں نے گھیرے رکھا۔ جب یہ بادل پھٹے اور ان علوم کی روشنی کی کرنوں نے وہاں کے عالموں کو متوجہ کیا تو انگلستان اور یورپ کی اکثر دانش گاہوں میں علوم مشرق کے مطالعے کے شعبے قائم ہوئے ان شعبوں میں بڑے بڑے ذخیرہ ہائے کتب مہیا ہوئے اور تحقیق اور درس کو اس درجہ تک پہنچایا کہ مشرق کے طلباء اس تہذیب اور ثقافت کے قدیم گہوارہ کو چھوڑ کر ان مغربی درس گاہوں کے مرہون منت ہوئے۔ ہماری غفلت کی حد تو دیکھئے کہ نہ صرف علوم مشرق

کی تعلیم کے لئے بلکہ عربی ، فارسی اور اردو کی ڈگریوں کے لئے بھی لنڈن ، اکسفورڈ اور کیمبرج ہمارے منتہیٰ نظر ہوں۔

رئیس کالج نے پچھلے سال کالج کے ۸۶ ویں یوم تأسیس کے موقع پر اپنے خطبہ استقبال میں بالتفصیل علوم مشرق کی زبوں حالی پر بحث کی ہے۔ باوجود انجمن پنجاب اور اس کے فاضل صدر ڈاکٹر لائٹنر کی کوششوں اور دیگر علماء کی جدوجہد کے اس خطہ میں کوئی خاطر خواہ نتائج نہ نکل سکے۔ یہ درست ہے کہ انگریزی حکومت کی تعلیمی حکمت عملی اور ملک کی بدلتی ہوئی اقتصادی ضروریات اس کے مانع تھی۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہی نہیں بلکہ ہمارے اپنے نظام تعلیم کی کمزوری اور بدنظمی بھی اس کی بڑی وجہ تھی۔ اس سلسلہ میں میرا ایک واقعہ کا دھرانا غیر مناسب نہ ہوگا ۱۹۵۰ء میں مجھے استنبول یونیورسٹی کے رئیس دانشگاہ نے دوران گفتگو میں بتایا کہ ان کی دانش گاہ کو قائم ہوئے پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ اور اس کی تدریس اور تحقیق کا تسلسل بغیر ٹوٹے ہوئے اتنے عرصہ سے قائم ہے اور استفسار کیا کہ پاکستان بھی ایک قدیم تہذیب کا مالک ہے پنجاب یونیورسٹی کب قائم ہوئی۔ انہیں یہ سنکر نہایت حیرت ہوئی کہ پاکستان کی قدیم یونیورسٹی انگریزوں کی قائم کردہ ہے اور اسلامی عہد کی اعلیٰ تعلیم کی کوئی بھی درس گاہ اب موجود نہیں۔ ان کا اظہار حیرت میرے لئے تازیانہ فکر ہوا۔

اسمیں شک نہیں کہ انگریزی دور سے پہلے ملک میں مشرقی علوم کی تعلیم کا ایک وسیع نظام تھا۔ مگر ان مدارس کا یا تو کسی مسجد و مندر سے تعلق تھا یا کسی عالم کی شخصیت کے ساتھ۔ حکومت کی طرف سے مدرسین کے تقرر کا نہ ان کے نان و نفقہ کا باقاعدہ انتظام تھا۔ ہمارے بادشاہوں نے اپنے محلات اور مقبروں کی عالیشان عمارتیں بنوائیں مگر ان کے دوران حکومت میں کسی دارالعلوم کو یا کسی کتب خانہ کو چونا اور اینٹ کی متوسط سی عمارت بھی نصیب نہ ہوئی۔ بدیں حالات جب عالم کی شخصیت اٹھ گئی درس گہ کا شیرازہ بھی درہم برہم ہوگیا۔ اب دو سو سال کے بعد ان مدرسوں کے کہیں کھنڈر بھی نہیں جنہیں دیکھ

کر کوئی رولے اور دل کی بھڑاس نکال لے۔

اس دانش گاہ میں عالم فاضل کی جماعتوں کی زبوں حالی تو سب پر عیاں ہے مگر افسوس ہے کہ بعض حلقوں میں کالج کے عام تعلیمی اسلوب کو بھی فرسودہ کہا جاتا ہے جو نئے زمانے کے نئے تقاضوں اور نئی ضرورتوں کا حامل نہیں اس لئے کہ وہ روایات قدیم سے وابستہ ہے میں ان اعتراضات کی پرزور تردید کرتا ہوں۔ کالج کا علمی اور تحقیقی کام ایسا ہے جس پر دنیا کے اس نئے دور کی بڑی سے بڑی دانش گاہ بھی فخر کر سکتی ہے۔ رئیس کالج نے تو ان کا اشارتاً ذکر کیا ہے مگر اوریئنٹل کالج میگزین کی کوئی جلد اٹھا کر دیکھنے سے اور کالج کے مشرق فنڈ کی مطبوعات پر محض سرسری نظر ڈالنے سے چشم بصیرت پر اس درس گاہ کا اصل مقام عیاں ہو جاتا ہے۔ آج بھی اگر لنڈن، اکسفورڈ اور کیمبرج کے علمی حلقوں میں پنجاب یونیورسٹی کا وقار ہے تو اس کے علوم جدید کے شعبوں کی تحقیقات کی وجہ سے نہیں بلکہ اوریئنٹل کالج کے علمی روایات کی وجہ سے ہے۔ اوریئنٹل کالج کی روایات کا قدیم اور مسلسل ہونا قوم اور ملت کے لئے بڑی نعمت اور قیمتی ورثہ ہے۔ ان کی قوم کو قدر کرنی چاہئے۔

عالم فاضل کی جماعتوں کا نصاب بعد از ترمیم بھی کیوں دور حاضر کے نئے تقاضوں کا حامل نہیں ہو سکتا۔ سمجھ سے باہر ہے۔ انڈرسن کمیٹی اور اب یونیورسٹی کمیشن نے کچھ اس قسم کا اظہار خیال کیا ہے کہ ان کا نصاب سرے سے ناقابل اصلاح ہے۔ میں با ادب دانشمندان قوم سے درخواست کرتا ہوں کہ ہمدردی سے اس مسئلہ پر غور کریں اور موزوں اصلاح کے بعد عالم کے نصاب کو ایف اے اور فاضل کے نصاب کو بی۔ اے آنرز کا ہم پلہ بنائیں بلکہ اس اسلامی حکومت کے سرکاری حلقوں میں معمولی ایف۔ اے اور بی۔ اے سے ان کی قدر زیادہ ہو۔ سرکاری ملازمتوں اور معاش کے دروازے ان کے لئے کھول دئے جائیں۔

اس دنیا میں علم سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ علم کی تقسیم و تفریق سخت نادانی اور کفران نعمت ہے۔ اس زمانہ کی یاد بھی ابھی تازہ ہے جب علم کے بھی ہندو و مسلمان حصص تھے۔ رئیس الکلیہ نے اب علم

کے اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں کا ذکر کیا ہے یہ تقسیم و تفریق غلامی کے دور کی نشانی ہے ایک آزاد قوم کی فراخ ذہنیت کے شایان شان نہیں۔ میرے خیال میں تو سائنس اور آرٹ کی تفریق بھی کوئی ایسی مناسب نہیں سائنس کو جرمن زبان میں Wissenschaft کہا جاتا ہے جس کے لغوی معنی علم کے ہیں۔ چالیس سال قبل جب جرمنی میں قیصر ولیم سوسائٹی نے سائنس کے مختلف شعبوں کی تحقیق کے لئے ملک بھر میں اعلیٰ پیمانہ کے اداروں کا جال بچھایا تو ان میں فلسفہ، تواریخ، لسانیات اور ثقافت کے مطالعہ کو بھی جگہ دیگئی۔ اور اب یہ ادارے Max Planck Institutes کے نام سے موسوم ہیں اسی طرح روس کی اکیڈمی آف سائنس نے علم کے سب شعبوں کو سائنس قرار دیا ہے۔ اور فلسفہ اور تاریخ کے علاوہ ان میں ادبیات۔ موسیقی اور مصوری کو بھی شامل کرلیا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد مشرقی علوم کی اہمیت ہماری قومی ترقی کے لئے بہت بڑھ گئی ہے۔ اب جبکہ پاکستان کے بعد مشرقی علوم کی اہمیت ہماری قومی ترقی کے لئے بہت بڑھ گئی ہے تو نہایت ضروری ہے کہ ہم ان کی ترقی اور ترویج کی طرف جوش اور سرگرمی سے متوجہ ہوں۔ اوریئنٹل کالج کی موجودگی ان حالات میں ایک نعمت غیر مترقبہ ہے یہ ہماری تہذیبی، ثقافتی، معاشرتی اور اخلاقی زندگی کی ترقی کا ضامن ہوسکتا ہے۔ اس کو ہمیں صحیح معنوں میں قوم کی اعلیٰ علمی اکاڈمی کا درجہ دینا چاہئیے۔ اور جو کام اس سے لیا جاسکتا ہے لینا چاہئے۔

ہمارے تہذیبی احیاء کے علاوہ اس وقت سب سے ضروری کام اپنی قومی زبان کی ترقی کا ہے۔ مجھے نہایت افسوس اور درد سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کی طرف نہ دانشمندان قوم نے اور نہ اس دانش گاہ کے ارباب حل و عقد نے پوری توجہ دی ہے۔ جو کیفیت ایک سو سال پہلے انجمن پنجاب کی تحریک کے زمانہ میں تھی اب بھی وہی ہے، جو وجوہات ایک سو سال پہلے اس کی محرک تھیں اب کئی گنا زیادہ Urgency کے ساتھ موجود ہیں۔ مگر قوم اور ملت کی توجہ اس اشد ضروری مسئلہ کی طرف جس سے ہماری مجموعی موت و حیات وابستہ ہے صحیح معنوں میں مبذول نہ ہوسکی۔

جیسا کہ رئیس کالج نے ایک مرتبہ اپنے خطبہ میں بیان کیا آج سے سو سال قبل انجمن پنجاب اور اس کے فاضل صدر ڈاکٹر لائٹنر کا مطالبہ تھا کہ ملکی تعلیم کا نظام اس طرح مرتب کیا جائے کہ اس میں مشرقی علوم اور ملکی زبانوں کو نمایاں حیثیت حاصل ہو۔ علوم جدید اور علوم قدیم میں معقول پیوند قائم کیا جائے۔ اور جدید علوم ملکی زبانوں میں پڑھائے جائیں۔ آج بھی اس قوم اور اس دور کا تقاضا یہی ہے۔

ہمارے مدارس اور ہماری دانشگاہوں میں تمام مضامین خواہ وہ قدیم ہوں خواہ جدید، خواہ سائنس سے متعلق ہوں، خواہ آرٹ، سب کے لئے ذریعہ تعلیم ہماری قومی زبان اردو ہو۔ اردو زبان کی ترقی کے لئے ایک اکاڈمی قائم کی جائے جو اس سلسلہ میں تمام تر ضروریات اور مسائل پر غور کرتی رہے اور ان کا حل تجویز کرتی رہے۔

پاکستان کے قیام کے فوری بعد ملک میں قومی زندگی کو نئے اسلوب پر ڈھالنے کا بہت جوش تھا۔ قوم کے حکماء اور عالم تو یک طرف عام افراد کے دل میں بھی یہی امنگ تھی کہ اسلامی روایات اس ملک میں اپنے پورے نور کے ساتھ منور ہوں۔ تعلیمی حلقوں میں بھی کچھ ہل چل ہوئی متعدد کمیٹیاں مقرر کی گئیں۔ مجھے بھی ان کمیٹیوں میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔ مگر میں نے ان کے بحث و مباحث اور ان کی تجاویز کی تشکیل میں زیادہ حصہ نہ لیا۔ کیونکہ مجھے ان کے طریق کار سے سرے ہی سے اتفاق نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس نیک کام میں بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں۔ اس میں فوری عمل کی ضرورت ہے۔ جب اس راستہ پر چل نکلینگے تو جو رکاوٹیں اور جو مسائل سامنے آئیں وہ اردو اکاڈمی کے سامنے پیش کی جائیں کہ ان کا حل تجویز کرے۔ تفصیلاً میری تجویز یہ تھی۔

۱- اصولاً سب مضامین اور سب امتحانات کے لئے اردو کو ذریعہ تعلیم تسلیم کیا جائے اور اس پر عمل فی الفور شروع کردیا جائے۔

۲- انگریزی زبان کی تعلیم بدستور جاری رہے تاکہ مدرس اور طلبا دونو اپنے مضمون کی انگریزی کتب کا مطالعہ بخوبی کرسکیں۔

۳- علمی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنے پر وقت صرف نہ کیا جائے

بلکہ ہر مضمون کے ماہر اور عالم لوگوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ اردو میں مستند کتابیں لکھیں۔

۴۔ سائنس کے مختلف علوم کی جو اصطلاحات بین الاقوامی ہونے کا درجہ رکھتی ہیں ان کو ہو بہو اردو زبان میں لے لیا جائے۔ ان کے علاوہ شروع شروع میں دیگر اصطلاحات بھی انگریزی زبان ہی سے بہت حد تک لے لی جائیں۔ جن اصطلاحات کا ترجمہ لازمی ہو۔ وہ کام اردو اکاڈمی کے سپرد کیا جائے۔ جو ان کے مستند ترجمے شائع اور بتدریج رائج کرتی رہے۔

۵۔ اردو کو دفتری اور سرکاری زبان بھی فی الفور کردیا جائے۔ اور انگریزی دفتری اصطلاحات جن کے مناسب اردو مترادف موجود نہ ہوں۔ ویسے ہی استعمال ہوتی رہیں۔ اور ان کا ترجمہ بھی اکاڈمی کے سپرد ہو۔

مجھے ڈاکٹر لائٹنر کے عقیدہ سے اتفاق ہے کہ علمی کتابوں کا ترجمہ بہت مشکل ہے۔ برعکس اس کے عالموں کے لئے علمی کتابیں لکھنا زیادہ آسان اور احسن ہے۔ اس لئے کتابوں کے ترجموں پر وقت نہیں صرف کرنا چاہئے۔

جب تک اردو زبان سے آپ کام لینا شروع نہ کریں گے اس میں وہ صلاحیت جس کے آپ خواہاں ہیں پیدا نہ ہوگی۔ اب تو وہی مثال ہے کہ بچے کو آپ چلنے کی اجازت نہیں دیتے مگر اصرار ہے کہ اپنے اعصاب اور جوڑوں میں طاقت پیدا کرو تاکہ تم تیزی سے بھاگ سکو۔ کون نہیں سمجھ سکتا کہ جب تک آپ بچے کو چلنے نہ دینگے اسمیں بھاگنے کی طاقت ہرگز نہ آسکے گی۔ خدا را اسکو چلنے دیجئے پہلے گرتا پڑتا لڑھکتا چلیگا پھر سرعت، تیزرفتاری اور پرواز کی طاقت بھی اس میں آجائے گی۔

ہماری قومی زبان کی ترویج کے متعلق اس وقت بھی میرا یہی خیال تھا اور اب بھی یہی ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ پندرہ سال کے انتظار کے بعد بھی جیسا بعض اصحاب کا اصرار ہے معاملہ وہیں کا وہیں رہیگا۔ سائنس کا بہانہ پیش کرکے اس نیک کام کو ملتوی نہ کیجئے۔ کیونکہ التوا قوم کی ترقی اور بہبودی کے سخت مانع ہے۔

سائنس کے معاملہ میں صرف اتنا ضروری ہے کہ انگریزی زبان کی تعلیم کا معیار کم نہ ہو اگر سائنس کے طلباء میں یہ صلاحیت موجود رہی کہ وہ بخوبی انگریزی کتابوں کا مطالعہ کرسکیں سائنس کی تعلیم اور تحقیق کے راستہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

سائنس کی تعلیم میں بھی قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے سے وہی خاطر خواہ نتائج ظہور میں آئینگے جن کی ہمیں دیگر علوم کے بارے میں امید ہے۔

رئیس الکلیہ کی تجویز کہ ملک میں جلد از جلد باوقار اردو اکاڈمی قائم کی جائے جس کے زیر ہدایت اردو کو انگریزی کی سطح پر لانے کے لئے علمی کام کئے جائیں اشد ضروری ہے۔ حکومت سے ہماری مودبانہ درخواست ہے کہ اس میں تاخیر نہ کرے۔ مگر کمیشن مقرر کرنے کی تجویز میری ناقص رائے میں معاملہ کو پھر التوا میں ڈال دے گی۔ زبان کے معاملہ میں بہت کچھ سوچا جاچکا ہے اب عمل ہونا چاہئے۔

انجمن پنجاب کی کارکردگی کا رئیس الکلیہ نے اپنے خطبوں میں کئی مرتبہ ذکر کیا۔ میں سمجھتا ہوں اب بھی بدقسمتی سے ملک میں وہی حالات موجود ہیں جن میں انجمن پنجاب علوم مشرق کی ترویج کے لئے کوشاں تھی۔ اب بھی انجمن پنجاب جیسے ادارے کی ضرورت ہے جو مستعدی اور زور سے علوم مشرق کا ہاتھ پکڑے اور ان کی تعلیم و ترویج کا انتظام کرے۔ ارباب اقتدار کی طرف سے اب بھی ان علوم کی طرف کافی بے اعتنائی ہے۔ ان حالات میں میری یہ درخواست غیر مناسب نہ ہوگی کہ انجمن پنجاب کو پھر زندہ کیا جائے۔ علوم مشرق کے دوستوں کو اس حلقے میں جمع کیا جائے اور ڈاکٹر لائٹنر جو اس کالج کے بانی اور پہلے پرنسپل تھے کے نقش قدم پر آپ اس کی قیادت کو اپنے ہاتھ میں لیں۔

حضرات میں نے اپنے خیالات مختصراً آپ کے سامنے پیش کئے ہیں۔ مجھے یہ سنکر دلی رنج ہوا کہ قوم کی قدیم اور عظیم درسگاہ کو آس امن اور سکون کی فضا میسر نہیں۔ جو علمی کاموں کے لئے اشد ضروری ہے۔ میری دعا ہے کہ خدائے برتر اس دانش گاہ میں امن اور سکون کی فضا پیدا کرے جس میں آپ کے دانشکدہ کی علمی روایات پھلیں پھولیں اور اپنے انوار سے اس ملک کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی کو منور کریں۔

PRINTED IN PAKISTAN
BY MIRZA MUHAMMAD SADIQ
AT
THE RIPON PRINTING PRESS
BULL ROAD, LAHORE